نواب صدیق حسن خاںؒ کی کتاب الحطّہ
ایک معروضی مطالعہ

———— مولانا جاوید احسن فلاحی

نواب صدیق حسن خاں قنوّجی کا شمار تاریخ کی اُن برگزیدہ اور چیدہ ہستیوں میں ہوتا ہے کہ چشم فلک نے ان جیسے کم ہی دیکھے ہوں گے۔ علم و حکمت، مال و دولت، جرأت و شجاعت اور امارت و حکومت غرض دینی اور دنیاوی نعمتوں میں سے کون سی نعمت ہے جسے خالقِ کائنات نے انھیں بہ قدر وافر عنایت نہ فرمایا ہو۔ ان کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ ایک اکیلے شخص کے لیے اتنی ساری فتوحات اور کامیابیاں کیسے ممکن ہوسکیں کہ اگر ایک طرف وہ دوسو سے زائد اہم علمی رسائل و کتب کے مصنف ہیں جو گوں ناگوں اور متنوع موضوعات پر مشتمل ہیں تو دوسری طرف وہ اِمارت و حکومت میں ایسی شان رکھتے ہیں کہ ان کے حسنِ انتظام کے جلوے رعایا ہر طرف محسوس کرتی تھی اور تیسری طرف انھیں حاسدوں اور کم سوادوں سے ایک ایسی چومکھی جنگ لڑنی پڑی جس کے ساتھ علم و قلم کا رشتہ نباہنا دشوار بلکہ ناممکن تھا۔ چنانچہ عقل یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتی کہ مالک حقیقی کا اُن کے ساتھ خاص کرم رہا کہ جس نے نہ صرف اُن کے سر پر علم و حکمت کا تاج رکھا، بلکہ خطّۂ ہند میں کشور بھوپال کی تاج داری و فرماں روائی بھی عطا کی۔[1]

نواب صاحب کا علمی کارنامہ ایک بحر بے پایاں کے مانند ہے، جس کی وسعت و ہمہ گیری کا اندازہ کرنا بہت دشوار ہے۔ میں نے اس مضمون میں اس سمندر کے ایک درِ نایاب کا انتخاب کیا ہے تاکہ بہ قدر امکان اس کی تابانی اور چمک دکھاسکوں، میری مراد نواب صدیق صاحب کی ایک قیمتی اور نایاب کتاب 'کتاب الحطّہ فی ذکر

الصحاح الستّة' سے ہے۔عربی زبان میں لکھی ہوئی یہ کتاب فنِ حدیث اوراس سے متعلق علوم پر مشتمل ہے اور صحاح ستہ کے علاوہ موطا امام مالک اور مسند احمد بن حنبل کے سلسلہ میں اہم اور وقیع معلومات کی دستاویز ہے۔ ہمارے پیش نظر اس کتاب کا دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان سے چھپا ہوا ۱۹۸۵ء مطابق ۱۴۰۵ھ کا ایڈیشن ہے۔اس کے مطالعہ سے اس بات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس فن میں ولی اللّٰہی مکتبِ فکر کے صحیح نمائندے تھے۔اس لیے اس مشکل فن کو انھوں نے اپنی خداداد ذہنی اور علمی صلاحیت سے طالبانِ فن کے لیے پانی کر دیا۔

مقصدِ تالیف

اس کتاب کا مقصد تالیف کیا ہے؟ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے نواب صاحب کتاب کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں کتب ستہ کی تحصیل سے فارغ ہوا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس فن میں مستقل طور پر ایک ایسی تالیف ہونی چاہیے جو ان کتابوں کی خصوصیات اور ان کے سلسلہ میں ضروری معلومات پر مشتمل ہو، تا کہ حدیث و سنّت کے طالب علم کو تمام معلومات ایک جگہ مل جائیں اس سلسلہ میں جب میں نے چھان بین کی تو مجھے ایک بھی مصنف کی کسی ایسی کتاب کا پتہ نہ چلا جو طالب علم کی اس ضرورت کو پوری کر رہی ہو، اگر چہ الگ الگ کتابوں میں متعلقہ مواد موجود تھا۔ چنانچہ میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ میں خود ہی اس ضرورت کی تکمیل کا بیڑا اٹھاؤں اور وہ تمام معلومات ایک کتاب میں جمع کر دوں جن کا جاننا کتب ستہ کے مبتدی کے لیے بھی ضروری ہو اور منتہی کے لیے بھی اس سے مفر نہ ہو''۔[۲]

آگے لکھتے ہیں:

''میں نے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اس کے فضل سے چند دنوں میں یہ کتاب لکھ ڈالی۔اس سلسلہ میں اس موضوع سے متعلق میں نے تمام چھوٹی

بڑی کتابوں کا مطالعہ کیا اور سمندر کا سمندر کھنگال ڈالا اور بعد تلاش بسیار علم کے یہ بے بہا موتی ہم نے عزیز طلباء اور اہل علم کی خدمت میں پیش کیے، تاکہ اہل علم اس موضوع کی عظیم الشان کتابوں سے بے نیاز ہوسکیں اور اس سے فائدہ اٹھاسکیں، بالخصوص ہمارے صاحب زادے سیّد نورالحسن طیّب اس سے فائدہ اٹھائیں اور اسے حرز جان بنائیں''۔[۳]

زمانۂ تالیف

نواب صاحب نے یہ کتاب کب لکھی؟ اس کا تذکرہ کہیں نہ مل سکا، البتہ ڈاکٹر رضیہ حامد کی ایک عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۸۶۸ء مطابق ۱۲۸۵ھ، یعنی نواب صاحب کے سفرِ حج سے قبل لکھی گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحبہ نواب صاحب کے سفرِ حج سے متعلق باب میں لکھتی ہیں:

''۱۷ر رمضان کو جہاز عدن پہنچا اور دس دن بعد ۲۶ر رمضان کو حدیدہ میں داخل ہوا۔ یہاں آپ نے بارہ روز قیام کیا اور قاضی شیخ حسین بن محسن انصاری کے مکان پر فروکش ہوئے۔ بیس پچیس رسالے اپنے قلم سے نقل کیے۔ یہیں عیدالفطر کی نماز پڑھی، اپنی مولفہ کتاب 'الحطّۃ فی ذکر الصحاح الستہ' یہاں کے علماء کی خدمت میں ہدیۃً پیش کی اور چار کتابیں اقتضاء الصراط المستقیم، ارشاد الفحول، نیل الاوطار اور فتح القدیر خریدیں''۔[۴]

اگر یہ بیان صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نواب صاحب نے اسے بتّیس تینتیس سال کی عمر میں لکھا ہے اور غالباً (۶۶-۱۸۶۵ء) کے درمیان یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ کتاب کے مندرجات کو دیکھ کر اس کے نوعمر مصنف کی عبقری صلاحیتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کتاب کے مشتملات

پوری کتاب ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ آخر میں ایک خاتمہ بھی ہے، جس میں مصنف نے اپنی زندگی کے مختصر حالات درج کیے ہیں اور کن علماء سے کیا کیا پڑھا اس کی تفصیل بھی دی ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ طلبِ علم اور مسائلِ حیات کو حل

کرنے کے لیے انھیں کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چونکہ اس کا تعلق ان کے سوانح نگاروں سے ہے، اس لیے اس تفصیل کو قلم انداز کیا جاتا ہے:

کتاب کا مقدمہ تقریباً چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں متعدد اہم علمی نکات پر بحث کی گئی ہے اور انھیں قرآن وسنت کے دلائل سے ثابت کیا گیا ہے ان میں سے بعض مباحث یہ ہیں۔ علم کی اہمیت، علم کیا ہے؟ اس کے مادّی اور روحانی کیا فوائد ہیں؟ علم کیوں حاصل کرنا چاہیے؟ تحصیل علم کی کیا شرائط ہیں؟ علم کے مراتب و مدارج کیا ہیں؟ یعنی علم کے حصول کا آغاز کہاں سے ہوا اور طالب علم کس طرح درجہ بدرجہ آگے بڑھے؟ طالب علم کے لیے سفر کی ضرورت اور اس کے فوائد، طلب علم میں حافظہ کی کیا اہمیت ہے اور استخراج واستنباطِ مسائل کی قوت کا کیا رتبہ ہے؟ تعلیم و تعلّم کے اہداف کیا ہوتے ہیں اور انھیں کیا ہونے چاہئیں؟ علم کی وسعت و جامعیت، اسلام سے پہلے علم کی حالت اور اسلام نے اُسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ مسلمانوں میں سب سے پہلا مصنف کون ہے؟ اور سب سے پہلے کس موضوع پر قلم اٹھایا گیا؟ علوم شرعیہ کی قسمیں، تصنیف اور مصنّف کی خصوصیات، علم کے تفرّعات وغیرہ۔

دوسری فصل میں علم حدیث کی اہمیت پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس میں نہ صرف حدیث اور علم حدیث کو شریعت کی شاہ کلید اور علم یقینی کی اساس اور بنیاد بتایا گیا ہے، بلکہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ طالب علم کی علمی بصیرت اور مہارت کا معیار حدیث اور علوم حدیث ہیں اور اس علم میں جس کو جتنی مہارت ہو اہل علم میں اس کی اتنی ہی قدر و قیمت ہونی چاہیے۔ اس سلسلہ میں ایک نکتہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حدیث اور علم حدیث سے دشمنی صرف بدعتی ہی کو ہوسکتی ہے، کیوں کہ احادیث ہی بدعتی کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہیں۔ اس فصل کے اہم نکات یہ ہیں: علم حدیث کی فضیلت، اسناد کی اہمیت، دین میں علم اسناد کا مقام و مرتبہ وغیرہ۔ اس فصل میں علوم حدیث کے متعلقات کے ساتھ نواب صاحب کی شعروادب کے ساتھ رغبت اور ان کی دلچسپی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تحریریں محض زاہد خشک کا وعظ اور محض جامد مذہبی افکار کا مجموعہ نہیں ہیں، بلکہ شعروادب

کا ذوق اور اپنی بات کہنے کا سلیقہ بھی انھیں خوب آتا ہے۔ چنانچہ یہ پوری فصل اشعار پر مشتمل ہے۔ اس سے نواب صاحب کے حافظہ کا کمال بھی ظاہر ہوتا ہے۔ میرے خیال میں حدیث اور اہل حدیث پر یکجا اتنا بڑا شعری ذخیرہ اس کتاب کے سوا شاید کہیں نہ ہو۔

مقدمہ کے بعد اصل موضوع شروع ہوتا ہے جو پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ پانچوں ابواب کتاب کے دوسو سات صفحات پر مشتمل ہیں۔

پہلے باب میں علوم حدیث کی معرفت، اس کی جمع وتدوین اور نقول تیار کرنے سے متعلق ہے۔ اس میں پانچ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل کا عنوان ہے علوم حدیث کی معرفت۔ اس کے تحت درج ذیل مباحث ملتے ہیں: علم حدیث کا تعارف، اس کا مقصد، اس کا موضوع، حدیث کے اجزاء، حدیث کے ضعف اور قوت کے اسباب، حدیث کی قسمیں، قرون اولیٰ کے محدثین کی اس میں مہارت اور عہد حاضر میں اس فن میں علماء کی بے بضاعتی وغیرہ۔ دوسری فصل کا عنوان ہے احادیث کے جمع وتدوین کا آغاز، اس سلسلہ میں نواب صاحب رقم طراز ہیں:

''سب سے پہلے جس شخصیت نے جمع اور تدوین حدیث کے سلسلہ میں حکم صادر فرمایا وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں، انھوں نے سلطنتِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں یہ فرمان لکھ کر بھجوایا کہ نبی کریم ﷺ کی حدیثوں پر غور کرو اور انھیں جمع کرو۔ اس سے پہلے صحابہ وتابعین کے درمیان حدیثوں کے لکھنے کا مستقل رواج نہیں تھا، البتہ بعض صحابہ اور تابعین کے یہاں ان کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے بعض اجزاء اور صحف موجود تھے، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر محمد بن حزم تابعی کو خاص طور سے لکھا کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کو چھان پھٹک کر درجِ دفتر کرلو''۔ ۵

ابتداء میں تدوینِ حدیث صرف نقلِ حدیث تک محدود رہی، پھر اس فن کے ماہرین نے اپنے اپنے طریقوں سے اسے جمع کرنا شروع کیا کسی نے فقہی ترتیب اختیار کی، کسی نے جوامع اور مسانید مرتب کیے، کسی نے اجزاء وصحف کی ترتیب قائم کی، کسی نے استخراج واستدراک کا طریقہ اختیار کیا، کسی نے علل اور موضوعات کو ہدف بنایا، تاکہ

کم زور اور گھڑی ہوئی حدیثوں کو سنت ثابتہ وصحیحہ سے الگ کردیا جائے۔ اس باب میں آگے کی فصلوں میں جن مباحث پر نواب صاحب نے گفتگو فرمائی ہے وہ اس طرح ہیں: کتب احادیث میں ابواب کی ترتیب میں اختلاف کے مقاصد، کتبِ حدیث کی قسمیں، ناقلینِ احادیث اور اصحابِ اجتہاد پر تبصرہ۔ ان فصول میں بہت سے علمی نکات آگئے ہیں جن سے نواب صاحب کی ذہنی اور علمی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کتب ستّہ پر دو، دو تین، تین جملوں میں ایسا جامع تبصرہ کیا ہے جو سیکڑوں صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ کا ایک علمی لطیفہ ملاحظہ ہو۔ پس منظر یہ ہے کہ بعض علمائے امت کا خیال ہے کہ صحیح بخاری کی شرح اب تک اُس کے شایان شان نہ ہوسکی۔ جب یہ بات امام شوکانیؒ سے کہی گئی اور اُن سے گذارش کی گئی کہ امّت کی طرف سے اس قرض کو ادا کریں تو انھوں نے برجستہ کہا: "**لاھجرۃ بعد الفتح**"۔ یہاں امام شوکانی نے الفتح سے مراد فتح الباری لیا ہے، یعنی ابن حجرؒ کی مشہور شرح بخاری کے بعد یہ قرض ادا ہوگیا۔ اس لطیف تعبیر میں جو علمی بلاغت ہے اس کا اندازہ کچھ اہل علم ہی کرسکتے ہیں۔

اسی طرح ایک لطیف علمی نکتہ امام ابوحنیفہؒ کے سلسلہ میں بھی بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"بعض بغض اور حسد رکھنے والے امام ابوحنیفہؒ کو قلیل البضاعۃ فی الحدیث کہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حدیثیں ان سے کم منقول ہیں۔ حالاں کہ ائمہ کبار کے سلسلہ میں اس طرح کی باتیں کہنے کی گنجائش نہیں۔ اصل میں امام ابوحنیفہؒ سے کم روایتیں اس لیے منقول ہیں کیوں کہ ان کے یہاں جرح مقدم ہے اور قبولیتِ حدیث کی شرائط اُن کے یہاں بہت سخت ہیں، پس جو لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے روایات سے بے اعتنائی برتی ہے اور جان بوجھ کر حدیثوں کو نظر انداز کیا ہے، وہ لوگ یا تو امام ابوحنیفہؒ کے حدیثی نقطۂ نظر کو نہیں سمجھ سکے یا جان بوجھ کر ان پر تہمت کشی کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کی فقہی آراء کو روایات اور احادیث کا مستدل پاتے ہیں۔ وہ کسی مسئلہ کے ردّ و قبول میں احادیث کو نظر انداز نہیں کرتے، یہاں تک کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ احادیثِ

ضعیفہ کو بھی اپنی ذاتی رائے پر ترجیح دیتے ہیں، جس کی دلیل حدیثِ قہقہہ ہے۔ ان کے علاوہ جو دوسرے محدثین ہیں ان کے یہاں قبول روایت کے سلسلہ میں وسعت ہے اور اُن کی شرائط اتنی سخت نہیں ہیں، اس لیے ان کی حدیثیں زیادہ ہیں۔ واضح رہے کہ امام ابوحنیفہؒ ایک اعلیٰ درجہ کے مجتہد تھے اور شرائطِ قبولیتِ حدیث میں انھیں حقِّ اجتہاد حاصل تھا، لیکن بعد کی صدیوں میں ان کے اصحاب نے بھی شرائط میں وسعت اختیار کرلی، اس لیے اُن کے یہاں بھی روایتوں کی تعداد بڑھ گئی''۔[٦]

غرض یہ کہ پورا باب علمی افادات اور محدّثانہ نکات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ تفصیل کے طالب کو اصل کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

دوسرا باب علم حدیث کی مختلف شاخوں اور اس فن میں لکھی جانے والی کتابوں کے سلسلہ میں ہے۔ اس باب میں کل سترہ فصلیں ہیں اور مندرجہ ذیل مباحث پر گفتگو کی گئی ہے:

علم حدیث باعتبار روایت و درایت، حدیث میں ناسخ ومنسوخ کا علم، علم حدیث میں اسناد کا مرتبہ، رواۃ حدیث کی ثقاہت اور ضعف، علم تلقین حدیث، قواعدِ جرح و تعدیل، اسماء الرجال، مولد و منشأ، تاریخ ولادت و وفات اور اساتذہ وشیوخ کے اعتبار سے راویانِ حدیث کی معرفت، نیز علم غریبِ حدیث، علم شرحِ حدیث، ادعیۃ الرسول، اورادعیۂ ماثورہ، طب نبوی، متن حدیث، رموز حدیث اور وضعِ حدیث وغیرہ۔

ان ابواب سے جہاں نواب صاحب کی فن حدیث میں مہارت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امّہات کتب کے بارے میں آپ کی معلومات حیرت انگیز ہیں۔ اس کے علاوہ اس اہم حقیقت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے حفاظتِ حدیث کے سلسلہ میں جو اصول وقواعد ایجاد کیے ان کے لیے انھیں کتنی محنت اور جاں فشانی کرنی پڑی ہوگی۔ ہزارہا راویوں کے حالات کی چھان پھٹک، اس کے لیے اسفار، راویوں کی شناخت کے طریقے اور اصول وضوابط بنانا اور اس سے سرِمو انحراف نہ کرنا، سچ یہ ہے کہ معرفتِ اسناد کا علم امت کے لیے باعث صد افتخار ہے۔ یہ ہمارے اسلاف کی

لامحدود کدّ وکاوش اور عظیم الشان جدوجہد کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ہم تاریخ کے اس اہم اور نازک موڑ پر بلاخوف تر دید دنیا کی تمام قوموں کے سامنے بہ بانگِ دہل اعلان کر سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے نبی کی تعلیمات بغیر کسی ادنیٰ تصرف وتحریف کے محفوظ کرلی ہیں اور اس کی حفاظت کے لیے ہم نے انسانی وسعت واستطاعت کے اعلیٰ ترین معیار کو چھولیا ہے۔ اس میدان میں کوئی قوم ہمارے مساوی نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اس باب میں جرح وتعدیل کے بھی نہایت اہم قواعد آگئے ہیں۔ اس فصل میں بعض کتابوں پر نواب صاحب کا تبصرہ نہایت اہم ہے۔ مثال کے طور پر تاریخ ابن کثیر کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ابن کثیر کی تاریخ ۷۳۸ھ پر آکر ختم ہوجاتی ہے، یعنی اپنی وفات سے دو سال پہلے تک کے واقعات انھوں نے تحریر کیے ہیں، چوں کہ اس کے بعد کی کوئی تاریخ نہیں تھی اس لیے ہمارے شیخ مفتیٔ شام شہاب الدین احمد بن یحییٰ السعدی نے ۷۴۱ھ سے تاریخ لکھنی شروع کی، جو انھوں نے ۸۱۵ھ تک لکھی، لیکن وہ بہ وجوہ شائع نہ ہوسکی اور ضائع ہوگئی''۔ ۷

تیسرے باب میں پانچ فصلیں ہیں اور اس میں ان موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے: اولاً کتب حدیث کے طبقات اور اُن کے مدارج ومراتب، ثانیاً وہ شرائط جن کی بنیاد پر کوئی حدیث احکام شرعیہ کے استنباط میں حجت ہوتی ہے۔ ثالثاً ضبطِ حدیث کے مناہج اور احادیث کا طریق تحمّل وادا، رابعاً محدّث کی خصوصیات اور خوبیاں اور لوگوں کی حدیث اور علم حدیث سے بے اعتنائی اور علم حدیث کا آغاز وارتقاء وغیرہ۔

کتب حدیث کے مدارج اور مقام پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کتب حدیث کے مختلف طبقات اور جداگانہ مقامات ہیں، اس لیے ان کے مقامات ومراتب کو سمجھنا ضروری ہے۔ ان کتابوں کا یہ مقام ومرتبہ دراصل خود احادیث کی مختلف حیثیتوں کی بنا پر ہے۔ بعض احادیث کو تواتر کا درجہ حاصل ہے، بعض صحت کے اعلیٰ معیار پر پوری اترتی تھیں، بعض احادیث کی سندیں کچھ کمزور ہیں، مگر انھیں دوسرے

طرق سے متابعات اور شواہد مل جاتے ہیں، جو انھیں مضبوط بنا دیتے ہیں، بعض احادیث سند کے اعتبار سے کم زور ہیں۔ انھیں شرائط کو معیار بنا کر کتبِ حدیث کو چار طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ طبقۂ اولیٰ میں موطّا اور صحیحین ہیں، کیوں کہ باتفاقِ محدّثین اِن کتب میں صرف وہ حدیثیں درج ہیں جو صحت کی اعلیٰ ترین شرائط پر پوری اترتی تھیں۔ موطا میں اگرچہ مراسیل اور منقطع السند حدیثیں بھی موجود ہیں مگر دوسرے طریقوں سے ان حدیثوں کی متصل سندیں مل جاتی ہیں۔ طبقۂ ثانیہ میں وہ کتابیں شامل ہیں جو صحیحین اور موطا کے معیار سے کم تر ہیں مگر ان کے مولفین بھی ثقاہت، عدالت، حفظ وضبط، نیز تبحّرِ علمی میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ ان کتابوں میں جن احادیث کو درج کیا گیا ہے ان میں کسی تساہل سے کام نہیں لیا گیا ہے اور ان کو طبقۂ محدثین میں وقار واستناد حاصل ہے۔ اس طبقہ میں سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور مجتبیٰ النسائی کو اولین مقام حاصل ہے۔ ابن ماجہ کی سنن کو بھی اس فہرست میں شامل کیا گیا ہے، مگر اس میں کچھ حدیثیں نہایت ضعیف، بلکہ موضوع ہیں، اس لیے ابن اثیر نے انھیں کتبِ صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا ہے، بلکہ موطا امام مالک کو اس طبقہ میں جگہ دی ہے‘‘۔[8]

طبقۂ ثالثہ میں وہ مصنفات، جوامع اور مسانید ہیں جو بخاری اور مسلم سے پہلے اور بعد میں ترتیب دی گئی ہیں اور جن میں صحیح، حسن، ضعیف، منکر، شاذ، غرض ہر طرح کی روایات درج ہیں جیسے مسند ابی یعلیٰ، مصنف عبدالرزاق، بیہقی، طحاوی اور طبرانی وغیرہ۔

طبقۂ رابعہ میں احادیث کی وہ کتابیں جو بالعموم پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں اور صوفیوں اور واعظوں کی باتوں سے خلط ملط ہیں، یا صحابہ وتابعین کے آثار واخبار ہیں، یا بنی اسرائیل کے قصے ہیں، یا حکیموں کے اقوال ہیں جنھیں قصہ گولوگوں نے احادیثِ نبوی سے ملا دیا ہے۔ اس طبقہ میں ابن حبّان کی الکامل، ابن عدی کی کتاب الضعفاء اور خطیب ابوالنعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجّار اور دیلمی وغیرہ کی کتابیں ہیں۔ اکثر اہل علم نے مسند خوارزمی کو بھی اسی طبقہ میں شامل کیا ہے۔

حدیث کی ان کتابوں پر امت کا اعتماد نہیں ہے اور اثبات عقیدہ وعمل کے لیے

انھیں بنیاد نہیں بنایا جاسکتا، بلکہ اس میں موجود بہت سی چیزیں امت کی گمراہی کی بنیاد ہیں، اور فرقۂ مبتدعہ نے اپنے بہت سے دلائل یہیں سے اخذ کیے ہیں حالاں کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جنھیں اکابر اہل علم نے مختلف فنّی اسقام اور معایب کے پیش نظر روایت کے لائق ہی نہیں سمجھا ہے اور بہت بعد کے زمانہ میں ان کی تصنیف عمل میں آئی ہے، لطف کی بات یہ ہے کہ خود ان کے مصنفین کو بھی ان کی صحت پر اصرار نہیں ہے، اس لیے ان کی چھان پھٹک میں وہ اہتمام نہیں پایا جاتا جو احادیث نبوی کے شایان شان ہے۔

یہ باب بھی پچھلے ابواب کی طرح بہت سے مفید علمی نکات اور فن حدیث کے اصول وقواعد اور بیش بہا معلومات سے پُر ہے۔ مثلاً حدیث ضعیف پر عمل کے بارے میں علماء کے اقوال و آراء، مراسیل کے باب میں اہل علم کا نقطۂ نظر، صغار و کبار تابعین کے مراسیل کا حکم اور اُن میں تفاوت کی وجوہات، مراسیل کا حکم، حجّتِ مراسیل کی شرطیں، شرائطِ تحمّل واداء، اجازتِ حدیث کے طریقے اور سب سے اہم یہ کہ کن شرائط کو مکمل کر لینے کے بعد کوئی طالبِ حدیث محدّث کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے۔ وغیرہ

چوتھے باب میں نواب صاحب نے صحاح ستّہ اور ان کی شروح کا ذکر کیا ہے، نیز موطا امام مالک اور مسند امام احمد بن حنبل کی خصوصیات اور ان سے استفادہ کی راہ میں پائی جانے والی مشکلات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس باب میں آٹھ فصلیں ہیں۔ باب کا آغاز موطا امام مالک کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ موطا سے آغاز کرنے کی وجہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’موطّا کے ذکر سے اس باب کا آغاز اس لیے کیا گیا ہے، کیونکہ یہ کتاب زمانۂ تالیف اور شہرت کے اعتبار سے تمام کتبِ حدیث پر مقدم ہے۔ فن حدیث میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جسے ہمیشہ ہی سے اصحاب علم کا اعتبار حاصل رہا ہے اور بعد کے جامعین حدیث نے اس سلسلہ میں امام مالک کے منہج ہی کی اتباع کی ہے اور افضلیت متقدم ہی کو حاصل ہے۔

موطا کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''مولوی عبدالعزیز دہلوی نے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ تقریباً ایک ہزار اشخاص نے امام مالک کے زمانہ میں ہی ان سے موطا کی روایت کی ہے جن میں محدثین، صوفیائے کرام، فقہا اور امراء سب شامل ہیں۔ ان سب لوگوں نے اس کی سند امام صاحب سے تبرکاً حاصل کی ہے۔ان نسخوں میں سب سے زیادہ مشہور اور مروّج نسخہ یحییٰ بن یحییٰ المصمودی الاندلسی کا ہے، البتہ ان سے موطا کے تین ابواب چھوٹ گئے ہیں جو یہ ہیں: باب خروج المعتکف الیٰ العید، باب قضاء الاعتکاف اور باب النکاح فی الاعتکاف، اس کی نشان دہی زیاد بن عبدالرحمٰن اللخمی نے کی ہے، جنھوں نے امام مالکؒ کے مسلک کو اندلس میں سب سے پہلے رائج کیا۔اس طرح نواب صاحب نے موطا کے سولہ نسخوں کا تذکرہ کیا ہے اور اُن کے امتیازات کو بیان کیا ہے۔اس کے بعد موطا کی شروح کا تذکرہ ہے، جن میں بطور خاص شاہ صاحب کی شروح مسوّیٰ اور مصفّیٰ کا ذکر کیا ہے اور ان میں شاہ صاحب کا کیا منہج رہا ہے؟ اس کو مفصلاً بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ صاحبِ کشف الظنون کے حوالہ سے دیگر متعدد شروح کا بھی تذکرہ کیا ہے۔[۱۰]

موطا کے بعد صحیح بخاری کا تذکرہ کیا ہے ۔ ابتدا میں صحیح بخاری کی اہمیت اور حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا ہے کہ صحیح بخاری وہ پہلی کتاب ہے جس میں مکمل طور پر صحیح احادیث درج کی گئی ہیں اس میں موجود تمام احادیث ان ہی رواۃ سے مروی ہیں، جن کی ثقاہت پر علمائے جرح وتعدیل کا اتفاق ہے، اس لیے پوری امت نے قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری کو سب سے زیادہ صحیح کتاب تسلیم کیا ہے۔ بخاری اور مسلم کی شرائطِ قبول کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ فرق بتاتے ہیں کہ بخاری کے نزدیک قبولیتِ حدیث کے لیے ملاقات مشروط ہے چاہے یہ ملاقات زندگی میں صرف ایک بار ہی کیوں نہ ثابت ہو جب کہ امام مسلم صرف معاصرت کی شرط لگاتے ہیں۔ بخاری کی مزید خصوصیات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے جہاں حدیث کی صحت کا اہتمام کیا ہے وہیں تراجم ابواب میں فقہی افادات اور حکیمانہ نکتوں کو ملحوظ رکھا ہے اور ایک ہی حدیث سے کئی مسائل مستنبط کیے ہیں۔آخر میں صحیح بخاری کے تراجم ابواب، تعلیقات اور شروح پر سیر حاصل

گفتگو کی ہے۔[۱۱]

صحیح بخاری پر گفتگو کے بعد صحاح کی دوسری پانچوں کتابوں پر بحث ہے جس میں ان کتابوں کی خصوصیات، اہمیت، طریق استفادہ اوران کی شروح کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس کے بعد مسند امام احمد بن حنبل پر گفتگو کی ہے۔ لکھا کہ یہ کتاب تیس ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے، جن میں سے تین سو حدیثیں ثلاثیۃ الاسناد ہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ مسند احمد میں اُن کے صاحبزادے عبداللہ اور ابوبکر القطیعی نے بھی بعض اضافات کیے ہیں، جو اٹھارہ مسانید پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ اُن کے صاحب زادہ عبداللہ نے اس کتاب کی ترتیب وتہذیب کا بھی کارنامہ انجام دیا ہے۔ مذکورہ اضافات کے بعد مسند کی حدیثوں کی تعداد چالیس ہزار ہوجاتی ہے۔

پانچویں اور آخری باب میں کتب ستہ کے مولفین اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے حالات زندگی بیان کیے ہیں۔ سب سے پہلے امام دارالہجرہ امام مالک بن انسؒ کے حالات لکھے ہیں۔ اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ امام مالکؒ سچ مچ ایک عظیم محدث، فقیہ، علم سے محبت رکھنے والے اور نبی کریمؐ کے عاشق صادق تھے۔ یہی صورت حالت امام بخاریؒ کی ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے احوال تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ بقیہ پانچوں محدثین (یعنی مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ) کا ذکر قدرے مختصر ہے۔ سب سے آخر میں امام احمد بن حنبل کی سیرت بیان کی گئی ہے جو قدرے تفصیل سے ہے۔ کتاب ان سطروں پر ختم ہوتی ہے:

''مذکورہ بزرگوں کی جلالتِ شان، بزرگی اور امامت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کتاب نہایت مختصر ہے، مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا، کیوں کہ اگر ہم تفصیل سے ان کی سیرت لکھنے لگیں تو ان کی علمی فتوحات اور ذاتی سیرت وکردار کے بیان میں دفتر کے دفتر بھی مختصر پڑ جائیں''۔[۱۲]

خلاصہ یہ کہ یہ کتاب لکھ کر نواب صدیق حسن خانؒ قنوجی نے ایک بہت بڑے علمی خلا کو پُر کر دیا ہے اور کوزے میں دریا، بلکہ سمندر کو سمودیا ہے۔

حواشی ومراجع

۱ ڈاکٹر رضی حامد، نواب صدیق حسن خاں، جے کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس جامع مسجد دہلی، مقدمہ کتاب، ص ۷ تا ۱۵

۲ نواب صدیق حسن خاں، کتاب الحطّہ فی ذکر الصحاح الستۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۵ء

۳ حوالہ سابق، ص۱۲

۴ ڈاکٹر رضی حامد، نواب صدیق حسن خاں، ص۸۶

۵ کتاب الحطّہ، فصل وفی مبدأ جمع الحدیث وتالیفہ وانتشارہ، ص۵۹

۶ حوالہ سابق، فصل فی ذکر نقلۃ الحدیث من اہل الاجتہاد والحدیث، ص۷۴

۷ حوالہ سابق، الفصل التاسع فی علم رجال الحدیث، ص۹۲-۹۳

۸ حوالہ سابق، الفصل الاول من الباب الثالث فی طبقات کتب الحدیث، ص۱۱۵-۱۱۴

۹ حوالہ سابق، الباب الرابع فی ذکر موطا مالک بن انس، ص۱۵۸

۱۰ حوالہ سابق، الباب الرابع فی ذکر موطا مالک بن انس، ص۱۶۱ تا ۱۶۸

۱۱ حوالہ سابق، الفصل الثانی من الباب الرابع فی ذکر صحیح البخاری، ص ۱۶۸ تا ۱۷۹

۱۲ حوالہ سابق، ص۲۶۰

☆☆☆

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی
چند اردو مطبوعات

	کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
۱	معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	۱۳۷	۹۰
۲	مذہب کا اسلامی تصور	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۹۱	۱۰۰
۳	مشترکہ خاندانی نظام اور نظریہ اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۰۲	۴۰
۴	وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۹۲	۴۰
۵	آزادیٔ فکر و نظر اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۲۸	۴۰
۶	قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۹۶	۷۰
۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۰۰	۶۰
۸	اہلِ مذاہب کو قرآن کی دعوت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۸۴	۴۵
۹	کفر اور کافر قرآن کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۶۰	۲۰
۱۰	جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	۲۲۴	۸۵
۱۱	مسلمانوں کی حقیقی تصویر	مولانا محمد جرجیس کریمی	۱۶۴	۵۵
۱۲	عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۱۳۶	۳۰
۱۳	شیئر بازار میں سرمایہ کاری	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	۱۵۶	۴۵

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر- ۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی- ۲۵